

سود کے متعلق خیراہم مباحث

ادارہ ثقافت اسلامیہ کا سوانامہ وراس کا جواب

(۲)

دوسرا سوال | لفظ ربوہ کے معنی لغت عرب میں تو زیادتی، اضافے اور بڑھوتری کے ہیں، لیکن

”الربوہ“ سے اصطلاحاً جو چیز مراد ہے وہ خود قرآن ہی کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے

وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا... وَإِنْ

تَبَيَّنَ فَنَكْمُ رُؤُسِ أَمْوَالِكُمْ... وَإِنْ

كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ -

سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو
... اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں اپنے اُس المال
بینے کا حق ہے... اور اگر تمہارا دین دار
ثقل دست ہو تو پانچ گھنٹے تک اسے مہلت دو۔

(۲۸۰-۲۸۸)

یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ربوہ کا یہ حکم قرض کے معاملہ سے متعلق ہے اور

قرض میں اصل سے زائد جو کچھ طلب کیا جائے وہ الربوہ ہے جسے چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن یہ کہہ کر بھی ربوہ کا مفہوم واضح کرتا ہے کہ اَحْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔

اللہ نے بیع کو حلال اور ربوہ کو حرام کیا ہے، ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ربوہ میں اس المال

سے زائد جو کچھ لیا جاتا ہے وہ اس منافع سے مختلف ہے جو بیع کے معاملہ میں لاگت سے

زائد حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ربوہ مال کی وہ زیادتی ہے جو بیع کے طریقے سے نہ

ہو۔ اسی بنا پر محدثین، فقہاء اور مفسرین کا پورا اتفاق ہے کہ قرآن میں وہ ربوہ حرام کیا گیا ہے جو

قرض کے معاملہ میں اصل سے زائد طلب کیا جائے۔

نزدیک قرآن کے وقت یہ امر عرب میں پسری طرح معلوم و معروف تھا کہ قرض کا معاملہ

صرف شخصی حاجات ہی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کاروباری اور قرضی اغراض کے لیے بھی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے نہ اس آیت میں، نہ کسی دوسری آیت میں، ایسا کوئی اشارہ کیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ اغراض کے اعتبار سے قرض اور قرض میں کوئی فرق ہے اور سود کی حرمت کا یہ حکم صرف شخصی حاجات کے قرضوں کے لیے مخصوص ہے۔ فقہاء اسلام بھی پہلی صدی ہجری سے آج تک اس اصول پر متفق رہے ہیں کہ کُلُّ قَرْضٍ جَرَبِهِ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا۔ رہبر قرض جس کے ساتھ نفع حاصل کیا جاتے رہا ہے۔ قریب کے زمانہ سے پہلے فقہاء کی اس متفقہ رائے سے اختلاف کی کوئی ایک مثال بھی تاریخ فقہ سے نکال کبیش نہیں کی جاسکتی۔

تیسرا سوال رہا اور ربح میں فرق یہ ہے کہ رہا قرض پر مال دے کر اصل سے زائد وصول کرنے کا نام ہے۔ اور اس کے برعکس ربح سے مراد بیع میں لاگت (COST PRICE) سے زائد قیمت فروخت حاصل کرنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں خسارہ کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ لاگت سے کم پر کسی شخص کا مال فروخت ہو۔ لسان العرب میں ربح کے معنی یہ لکھے ہیں :

الربح والربح والربح النمافی	تجارت میں افزونی کو ربح اور ربح اور رباح
الربح... والعرب تقول ربحت تجارتہ	کہتے ہیں... عرب کہتے ہیں ربحت تجارتہ
انذار ربح صاحبها فیہا... وقوله تعالیٰ	جبکہ تجارت کرنے والا نفع کما تے... اور اللہ
فَمَا رِبِحْتُ تجارتُهم	تعالیٰ فرماتا ہے فَمَا رِبِحْتُ تجارتُهم

مفردات امام راغب میں ہے :

الربح الزیادۃ الحاصلة فی	ربح وہ زیادتی ہے جو خرید و فروخت کے
المبايعۃ	معاملہ میں حاصل ہو۔

قرآن مجید خود بھی ربا اور تجارتی منافع کا فرق بیان کرتا ہے۔ کفار عرب حرمت سود کے خلاف جو اغراض پیش کرتے تھے وہ یہ تھا کہ انشاء البیع مثل الربو۔ یعنی بیع میں اصل لاگت

ملہ طبع بیروت، ج ۷، ص ۴۴۲۔

سے زائد جو قیمت فروخت وصول کی جاتی ہے وہ بھی تو آخر اسی طرح ہے جس طرح قرض کے معاملہ میں اصل اس المال سے زائد ایک رقم لی جاتی ہے۔ قرآن نے اس کے جواب میں صاف کہا کہ **أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا ہے۔ یعنی دولت میں اضافہ بصورت بیع اور چیز ہے اور بصورت قرض اور چیز۔ ایک کو نڈانے حلال کیا ہے اور دوسرے کو حرام۔ کوئی شخص منافع چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ دروازہ کھلا ہے کہ خود بیع کا کاروبار کرے یا کسی دوسرے کے ساتھ اس میں شریک ہو جائے لیکن قرض دیکر منافع طلب کرنے کا دروازہ بند ہے۔

چوتھا سوال ربا کی تعریف یہ ہے کہ ”قرض کے معاملہ میں اصل سے زائد جو کچھ طلب کیا اور بطور شرط معاملہ دیا جائے وہ ربا ہے۔“ اس تعریف میں اس سوال کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے کہ یہ ربا قرض دینے والے نے طلب کیا یا قرض لینے والے نے از خود پیش کیا۔ یہ سوال ربا کی قانونی تعریف میں غیر موثر ہے اور قرآن سے یا کسی صحیح حدیث سے اس امر کا کوئی اشارہ تک نہیں نکلتا کہ اگر سود قرض لینے والے کی طرف سے پیش کیا جائے تو اس سے اس کے سود ہونے اور حرام ہونے میں کوئی فرق واقع ہوگا۔ علاوہ بریں کوئی صاحب عقل دنیا میں ایسا موجود نہیں ہے نہ کبھی پامانگیا ہے جسے اگر سود کے بغیر قرض مل سکتا ہو تب بھی وہ سود ادا کرنے کی شرط اپنے طور پر پیش کرے۔ قرض لینے والے کی طرف سے یہ شرط تو اسی صورت میں پیش ہو سکتی ہے جبکہ کہیں سے اس کو بلا سود قرض ملنے کی امید نہ ہو۔ اس لیے سود کی تعریف میں اس کو غیر موثر ہونا ہی چاہیے۔ مزید براں بینکوں کی طرف سے قديم زمانہ میں بھی اور آج بھی امانت رکھے ہوئے روپے پر سود اس لیے پیش کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے کہ اس لالچ سے لوگ اپنی جمع شدہ دولت ان کے حوالہ کریں اور پھر وہ کم شرح سود پر لی ہوئی دولت آگے زیادہ شرح سود پر قرض دے کر فائدہ اٹھائیں اس طرح کی پیش کش اگر سود دینے والے کی طرف سے ہوتی ہے تو حرمت سود کے مسئلے میں اس کے قابلِ لحاظ ہونے کی آخر کیا معقول وجہ ہے۔ امانتوں پر جو سود دیا جاتا ہے اس کی نوعیت دراصل یہ ہے کہ وہ اس سود کا ایک حصہ ہے جو انہی امانتوں کو شخصی، کاروباری اور ریاستی

قرضوں کی شکل میں دیکر وصول کیا جاتا ہے۔ یہ تو اسی طرح کا حصہ ہے جیسے کوئی شخص نقبہ فی کئے آلات کسی سے لے اور جو کچھ چوری کا مال اسے حاصل ہوا اس کا ایک حصہ اس شخص کو بھی لے لے جس نے اسے یہ آلات فراہم کر کے دیے تھے۔ یہ حصہ اس دلیل سے جائز نہیں ہو سکتا کہ حصہ لینے والے نے بخوشی اسے دیا ہے، لینے والے نے جبر سے نہیں دیا ہے۔

پانچواں سوال | بیع سلم و اصل پیشگی سودے کی ایک صورت ہے یعنی ایک شخص دوسرے شخص سے آج ایک چیز خرید کر اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے، اور ایک وقت مقرر کر دیتا ہے کہ بائع وہ چیز اس وقت خاص پر اسے دیگا۔ مثلاً میں ایک شخص سے کپڑے کے سو تھان آج خریدتا ہوں اور ان کی قیمت ادا کر دیتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ یہ تھان میں چار مہینے کے بعد اس سے لوٹاگا۔ اس سودے میں چار باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ مال کی قیمت سودا طے ہونے کے وقت ہی ادا کر دی جاتے۔ دوسرے یہ کہ مال کی صفت (quantity) واضح طور پر معین ہو تاکہ بائع اور مشتری کے درمیان اس کی صفت کے بارے میں کوئی چیز مبہم نہ رہے جو وجہ نزاع بن سکے۔ تیسرے یہ کہ مال کی مقدار بھی وزن، یا ناپ یا تعداد وغیرہ کے لحاظ سے ٹھیک ٹھیک معین ہو۔ اور چوتھے یہ کہ مال خریدار کے حوالہ کرنے کا وقت معین ہو اور اس میں بھی کوئی ابہام نہ ہو کہ وہ نزاع کا سبب بنے۔ اس سودے میں جو پیشگی قیمت دی جاتی ہے اس کی نوعیت ہرگز قرض کی نہیں ہے بلکہ وہ ویسی ہی قیمت ہے جیسی دست بدست بین دین میں خریدار ایک چیز کی قیمت ادا کرتا ہے۔ فقہ میں اس کا نام بھی ثمن ہے نہ کہ قرض۔ وقت معین پر مال کی عدم تحویل یا کسی اور سبب سے اگر بیع فسخ ہو جائے تو مشتری کو صرف اصل قیمت لوٹائی جاتی ہے۔ کسی شے زائد کا وہ حقدار نہیں ہوتا اس میں اور عام بیع میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ عام بیع میں مشتری بائع سے اپنی خریدی ہوئی چیز دست بدست لے لیتا ہے اور بیع سلم میں وہ اس کا قبضہ لینے کے لیے آئندہ کی ایک تاریخ مقرر کر دیتا ہے۔ اس معاملہ کو قرض اور سود کے مسئلے سے خلط ملط کرنے کی کوئی مغفول وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔ سوال میں غبن کی جو مثال

بیان کی گئی ہے وہ بالکل غیر واضح ہے اور اس پر کوئی کلام ممکن نہیں۔ لفظ ہر جس شکل میں یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ دراصل شرکت کی شکل ہے یعنی بھینس ایک شخص کی اور اس پر کام دوسرا شخص کرے اور دوسروں کے درمیان تقسیم ہو جاتے۔

چھٹا سوال اہم جنس اشیاء کے دست بدست تبادلے میں تفاضل کو حرام قرار دینے کا مقصد جیسا کہ ابن قیم اور دوسرے لوگوں نے بیان کیا ہے، دراصل سد باب ذریعہ ہے یعنی اصل حرام تو ربوا الفسیدہ (قرض کا سود) ہے، لیکن زیادہ تنانی کی ذہنیت کا قلع قمع کرنے کے لیے ہم جنس اشیاء کے دست بدست تبادلے میں بھی تفاضل کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ایک ہی جنس کی اشیاء مثلاً چاول کا تبادلہ چاول سے صرف اسی صورت میں کیا جاتا ہے جبکہ اس کی ایک قسم بڑھیا ہو اور دوسری گھٹیا شائع کاغذ یا یہ ہے کہ بڑھیا قسم کے ایک سیر چاول کا تبادلہ گھٹیا قسم کے مثلاً سوا سیر چاول سے نہ کیا جاتے، خواہ ان دونوں کی بازاری قیمت کا فرق اتنا ہی ہو بلکہ ایک شخص اپنے چاول مثلاً روپے کے عوض فروخت کرے اور دوسرے چاول روپے کے عوض ہی خرید لے۔ براہ راست چاول کا چاول سے تفاضل کے ساتھ مبادلہ کرنے میں اس ذہنیت کو غذا ملتی ہے جو سود خواری کی اصل جڑ ہے اور شائع اسی کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ فقہائے دین سود کے مسئلے میں جتنے بھی اختلافات ہوتے ہیں وہ صرف ربوا الفضل کے معاملہ میں ہیں کیونکہ اس کی حرمت کے احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں دیئے تھے اور آپ کی حیات طیبہ میں محالاً پران احکام کے انطباق کی شکلیں پوری طرح واضح نہ ہو سکی تھیں لیکن جہاں تک ربوا الفسیدہ و قرض کے معاملہ میں اصل سے ناٹدینے کا تعلق ہے، اس کی حرمت اور اس کے احکام میں فقہاء کے درمیان پورا اتفاق ہے۔ یہ ایک صاف مسئلہ ہے جس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔

ساتواں سوال تجارت میں طرہین کی رضا مندی ضرور لازم ہے، لیکن یہ نہ تجارت کے حلال ہونے کی علت ہے، نہ اس کا عدم سود کے حرام ہونے کی علت قرآن میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ سود اس لیے حرام کیا جاتا ہے کہ دینے والا اسے بادل ناخواستہ مجبوراً دیتا ہے مگر چہ دنیا میں کوئی

سود بھی میرضا و رغبت نہیں دیا جاتا، اور بلا سود قرض ملنے کا امکان ہو تو کوئی شخص قرض پر سود نہ دے لیکن اس چیز کی حرمت کے مسئلے میں رضامندی اور ناراضا مندی کا سوال بالکل غیر متعلق ہے، کیونکہ قرآن مطلقاً اس قرض کو حرام قرار دیتا ہے جس میں اس المال سے زائد ادا کرنے کی شرط شامل ہو قطع نظر اس سے کہ یہ شرط تراضی طرفین سے طے ہوئی ہو یا کسی اور طرح۔

رہی یہ بحث کہ سودی قرض کی حرمت میں اصل علت ظلم ہے، اور جس قرض پر سود و صہل کرنے میں ظلم نہ ہو وہ حلال ہونا چاہیے، اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ قرآن نے اس امر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے کہ آپ اس کے الفاظ سے صرف "ظلم" کا علت حرمت ہونا نکالیں اور پھر اس لفظ ظلم کا مفہوم خود جس طرح چاہیں شخص کریں۔ قرآن جس جگہ یہ علت حرمت بیان کرتا ہے اسی جگہ وہ خود ہی ظلم کا مطلب بھی واضح کر دیتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ
ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ
..... وَإِن تَبْتَغُوا فَلََكُمْ رَأْسُ أَمْوَالِكُمْ
لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ
اسے لوگو جو ایمان لاتے ہو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ
دو وہ سود جو لوگوں کے ذمہ، باقی رہ گیا ہے اگر تم
مومن ہو۔۔۔۔۔ اور اگر تم تو یہ کہو تو تمہیں اپنے
راس المال لینے کا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر
ظلم کیا جائے۔ (۲۴۸: ۲-۲۴۹)

یہاں دو ظلموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک وہ جو دائن مدیون پر کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو مدیون دائن پر کرتا ہے۔ مدیون کا دائن پر ظلم جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کا دینا ہوا اصل راس المال بھی مدیون واپس نہ کرے۔ بالکل اسی طرح مدیون پر دائن کا ظلم جو اس آیت کے سیاق و سباق سے بین طور پر ظاہر ہو رہا ہے، یہ ہے کہ وہ اصل راس المال سے زائد اس سے طلب کرے۔ اس طرح قرآن یہاں اس ظلم کے معنی خود متعین کر دیتا ہے جو قرض کے معاملہ میں دائن و مدیون ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے انصاف یہ ہے کہ دائن مدیون سے صرف راس المال واپس لے، اور ظلم یہ کہ وہ راس المال سے زیادہ وصول کرے

قرآن کا یہ سیاق و سباق اپنے مفہوم میں اس قدر واضح ہے کہ ابن حباس اور ابن زید سے لیکر کچھلی صدی کے شوکانی اور آلوسی تک تمام مفسرین نے اس کا یہی مطلب لیا ہے۔ اس پوری مدت میں کوئی ایک مفسر بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس نے قرآن سے صرف ظلم کا لفظ حرمت ربوہ کی علت کے طور پر نکال لیا ہو اور پھر ظلم کے معنی باہر کہیں سے لینے کی کوشش کی ہو۔ یہ بات اصولاً بالکل غلط ہے کہ ایک عبارت کے اپنے سیاق و سباق سے اس کے کسی لفظ کا جو مفہوم ظاہر ہوتا ہو اسے نظر انداز کر کے ہم اپنی طرف سے کوئی معنی اس کے اندر داخل کریں۔

اس سوال کے سلسلے میں یہ دعویٰ جو کیا گیا ہے کہ کمرشل انٹرسٹ میں کسی پاٹنی پر بھی ظلم نہیں ہوتا، یہ بھی نہیں تسلیم نہیں ہے۔ کیا یہ ظلم کچھ کم ہے کہ ایک شخص قرض پر سرمایہ دیکر تو ایک خاص منافع کی ضمانت حاصل کر لے، مگر جو لوگ کاروبار کو پروان چڑھانے کے لیے وقت، محنت اور ذہانت صرف کریں ان کے لیے سرے سے کسی منافع کی کوئی ضمانت نہ ہو، بلکہ نقصان ہونے کی صورت میں بھی وہ دائن کر اصل مع سود دینے کے ذمہ دار رہیں؟ تمام خطرہ (RISK) محنت اور کام کرنے والے فریق کے حصے میں، اور خالص منافع روپیہ دینے والے فریق کے حصے میں، یہ آخر انصاف کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے سود بہر حال ظلم ہے، خواہ وہ شخصی حاجات کے قرضوں میں ہو یا کاروباری اغراض کے قرضوں میں۔ انصاف چاہتا ہے کہ اگر آپ قرض دیتے ہیں تو آپ کو صرف اپنا اس المال واپس ملنے کی ضمانت حاصل ہو، اور اگر آپ کاروبار میں روپیہ لگانا چاہتے ہیں تو پھر شریک کی حقیقت سے روپیہ لگائیں۔

آٹھواں سوال | اس سوال کا تفصیلی جواب میں اپنی کتاب "سود" میں دے چکا ہوں۔ یہاں مختصر جواب عرض کرتا ہوں۔

الف) صنعتی اداروں کے معمولی حصے بالکل جائز ہیں بشرطیکہ ان کا کاروبار ناجائز خود حرام نہ ہو۔
 ب) تہجیحی حصص، جن میں ایک خاص منافع کی ضمانت ہو، سود کی تعریف میں آتے ہیں اور ناجائز ہیں۔
 ج) بینکوں کے فکسڈ پارٹ کے متعلق دو صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔
 جو لوگ صرف اپنے روپے کی حفاظت چاہتے ہوں اور اپنا روپیہ کسی کاروبار میں لگانے کے

خود شہد نہ ہوں، ان کے روپے کو بینک امانت رکھنے کے بجائے "قرض" لیں، اسے کاروبار میں لگا کر منافع حاصل کریں، اور ان کا اصل راس المال مدت مقررہ پر واپس کرنے کی ضمانت دیں۔

اور جو لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگوانا چاہیں، ان کا روپیہ امانت رکھنے کے بجائے بینک ان سے ایک عام شرکت نامہ ملے کرے، ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی صنعتی، زراعتی یا دوسرے کاموں میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آتے ہوں، لگا دے، اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو، اسے ایک ملے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کرے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

(د) بینکوں سے لیٹراف کرڈٹ کھولنے کی مختلف صورتیں ہیں جن کی شرعی پوزیشن جداگانہ ہے۔ جہاں بینک کو محض ایک اعتماد نامہ دینا ہو کہ یہ شخص بھروسے کے قابل ہے، وہاں بینک جائز طور پر صرف اپنے ذمہ داری کی غیس لے سکتا ہے۔ اور جہاں بینک دوسرے فریق کو رقم ادا کرنے کی ذمہ داری لے، وہاں اسے سود نہیں لگانا چاہیے۔ اس کے بجائے مختلف جائز طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً بینکوں کے کزنٹ اکاؤنٹ میں کاروباری لوگوں کی جو رقمیں رہتی ہیں، ان پر کوئی سود نہ دیا جائے بلکہ حساب کتاب رکھنے کی اجرت لی جائے، اور ان رقموں کو تبدیل المیعا و قرضوں کی صورت میں کاروباری لوگوں کو بلا سود دیا جائے۔ ایسے قرض داروں سے بینک اس رقم کا سود کو نہ لیں، البتہ وہ اپنے ذمہ داری کی غیس ان سے لے سکتے ہیں۔

(دھ) حکومت خود یا اپنے زیر اثر جتنے ادارے بھی قائم کرے ان سے سود کے عنصر کو خارج ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے دوسرے طریقے تھوڑی توجہ اور قوت اجتہاد سے کام لیکر نکالے جاسکتے ہیں جو جائز بھی ہوں اور نفع بخش بھی۔ اس طرح کے تمام اداروں کے بارے میں کوئی ایک جامع گفتگو چند الفاظ میں یہاں نہیں کی جاسکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے حرام چیز کو حرام مان لیا جائے۔ پھر اس سے بچنے کا ارادہ ہو۔ اس کے بعد ہر کارپوریشن کے لیے ایک ایسی کمیٹی بنائی جائے جو اس کارپوریشن کے تمام کاموں کو نگاہ میں رکھے یہ دیکھے کہ اس کے مختلف کام کہاں کہاں حرام طریقوں سے طوٹ ہوئے ہیں اور ان کا بدل کیا ہے جو اسلامی

احکام کی رو سے جائز بھی ہو اور قابل عمل اور نفع بخش بھی۔ اولین چیز بیماری اس ذہنیت کی تبدیلی ہے کہ اہل مغرب کے جن پٹے ہوئے راستوں پر چلنے کے ہم پہلے سے عادی چلے آ رہے ہیں انہی پر ہم آنکھیں بند کر کے چلتے رہنا چاہتے ہیں، اور سارا ذہن اس بات پر صرف کر دالتے ہیں کہ کسی طرح انہی راستوں کو ہم اسے پہلے جائز کر دیا جائے۔ ہماری سہولت پسندی یہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم کچھ مانع سوزی اور کچھ محنت کوئی نیا راستہ نکالیں تقلیدِ جامد کی بیماری تہمتی سے ہماری قوم کو لگی ہوئی ہے۔ نہ جیتہ پوش اس سے شفا پاتے ہیں نہ سوٹ پوش۔

(د) گورنمنٹ کے قرضے جہاں تک اپنے ملک سے حاصل کیے جائیں ان پر سود نہ دیا جائے۔ اس کے بجائے حکومت اپنے ایسے مشنوں کو جن میں قرض کا روپیہ لگایا جاتا ہے کاروباری اصول پر منظم کرے اور ان سے جو نفع حاصل ہو اس میں سے ایک طے شدہ تناسب کے ساتھ ان لوگوں کو حصہ دیتی ہے جن کا روپیہ وہ استعمال کرتی ہے۔ پھر جب وہ مدت ختم ہو جائے جس کے لیے ان سے روپیہ مانگا گیا تھا اور ان لوگوں کا اس المال واپس دیا جائے تو آپس میں منافع میں ان کی حصہ داری بھی ختم ہو جائیگی اس صورت میں درحقیقت کوئی بہت بڑا تغیر کرنا نہیں ہوگا متعین شرح سود پر جو قرض لیے جاتے ہیں، ان کو تبدیل کر کے بس مناسب منافع پر حصہ داری کی صورت دینی ہوگی۔

غیر ملکوں سے جو قرض لیے جاتے ہیں ان کا مسئلہ اچھا خاصا پیچیدہ ہے۔ جیت تک پوری تفصیل کے ساتھ ایسے تمام قرضوں کا جائزہ نہ لیا جائے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی نوعیتیں کیا ہیں اور ان کے معاملہ میں حرمت سے بچنے کے لیے کس حد تک کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اصولی طور پر جو بات میں کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں پہلے اپنی تمام توجہ اندرون ملک سے سود کو ختم کرنے پر صرف کرنی چاہیے اور بیرون ملک میں جہاں سودی لین دین سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہو وہاں اس وقت تک اس وقت کو برداشت کرنا چاہیے جیت تک اس سے بچنے کی صورتیں نہ نکل آئیں۔ ہم اپنے اختیار کی حد تک خد کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اس حد تک اگر ہم گناہ سے بچیں تو مجبوری کے معاملہ میں ہم معافی کی امید رکھ سکتے ہیں۔